التقریظ والانتقاد

جامع المجددین

از

(سعید احمد)

(۷) مولانا تھانوی جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں دوسرا نکاح محبت دلی کے اقتضا سے کرتے ہیں لیکن شہرت و وجاہت۔ خانگی چپقلش اور کنبہ برادری میں چہ میگوئیوں کی وجہ سے اس واقعہ کے سبب مولانا کو جو ضغطۂ دماغی (complex) پیش آگیا ہے اس کی وجہ سے اپنے فعل کی تاویل و توجیہ میں عجیب عجیب باتیں کہتے ہیں۔ حالانکہ سیدھی بات یہ تھی کہ میں نے عقد ثانی کیا اور یہ شرع میں ناجائز نہیں ہے بس بات ختم ہو جاتی لیکن مولانا کبھی تو فرماتے ہیں کہ "بے ساختہ ذہن میں آیا کہ بہت سے درجات موقوف ہیں سقوطِ جاہ و بدنامی پر جن سے تو اب تک محروم ہے .... بس اس واقعہ میں حکمت یہی ہے کہ تو بدنام ہوگا اور حق تعالیٰ درجات عطا فرمائیں گے" (ص ۲۶۸) کبھی فرماتے ہیں "ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس سے پہلے موت کی محبوبیت کی دولت نصیب نہ تھی .... الحمدللہ کہ اس واقعہ سے یہ دولت بھی نصیب ہوگئی" پھر ارشاد ہوتا ہے "مجھ کو ثوابِ آخرت سے طبعاً کم دلچسپی تھی .... اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی اور صورت استغنا تھی الحمدللہ کہ اس کمی کا تدارک ہوگیا" اس کے بعد ارشاد ہے کہ حلم و تحمل کا ذوق نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ یہ کام بھی پورا ہوگیا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نکاح ثانی کیا کیا سلوک و معرفت اور طریقت و حقیقت کی صبر آزما منزلیں بیک جنبش قدم طے کرلی ہیں جو ملکات و فضائل اور جو کمالاتِ روحانی و باطنی سالہا سال کے مجاہدہ اور ریاضت شاقہ کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتے وہ عقد ثانی کرتے ہی فوراً مولانا کو حاصل ہوگئے۔ غور کیجیے فطرتِ انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی یہ کتنی بڑی اخلاقی کمزوری ہے کہ ایک شخص کوئی کام محض لذتِ نفس اور حظِ جسمانی کے لئے کرتا ہے لیکن اپنے عقیدتمندوں کی نگاہ میں اپنا اعتماد و وقار قائم رکھنے کے لئے اس کو کمالات و ملکاتِ روحانی و باطنی کے حصول کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ خیر یہ سب کچھ تو تھا ہی۔ اس سے بڑھ کر غضب یہ ہے کہ مولانا حضرت زینب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ بیان فرما کر اپنے فعل کو سنت کا اضطراری اتباع قرار دیتے ہیں اور ان دو واقعوں میں سات وجوہِ مشابہت و مماثلت کا پتہ دیتے ہیں! حالانکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ کہاں ایک پیغمبر جس کی ہر قوت و طاقت بدرجۂ کمال اور غیر معمولی ہوتی ہے اور کہاں ایک وہ شخص جس کے لئے ایک بیوی بھی زائد از ضرورت ہو۔

جس طرح مولانا کی عادت خوردہ گیری اور ایک معمولی سی بات میں تشقیقات و احتمالات کی بھرمار کر دینے کی تھی اسی طرح اگر کوئی شخص نکتہ چینی پر آجائے تو مولانا کی مذکورۂ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو بآسانی مجروح کر سکتا ہے مثلاً وہ کہہ سکتا ہے کہ

۱۔ بدنامی حاصل کرنا شرعاً محمود نہیں مذموم ہے۔ حدیث میں ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو

۲۔ موت کی محبوبیت بے شک مستحسن ہے مگر لقاءِ رب کے لئے یا جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے۔ اس کے برخلاف دنیا سے گھبرا کر موت کی طلب کرنا بزدلی اور نامردی ہے جو اسلام میں مذموم و قبیح ہے۔

۳۔ ثوابِ آخرت سے جتنی کم دلچسپی ہو اسی قدر اچھا ہے تاکہ عبادت بالکل بے غرض و بے لوث ہو

۴۔ حلم و تحمل وہی محمود ہے جو طاقت و قوت کے ساتھ ہو۔ بے چارگی کے عالم میں غصہ کو پی جانا حلم نہیں کہلاتا۔

۵۔ واقعۂ نبوت میں اور اس واقعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

. . . . ظاہر ہوا اور یہ زمین پر آنحضرت

ب کا نکاح حضرت زید سے کیا تھا جو آپ کے عزیز قریب نہ تھے۔ مولانا نے اپنی

ح اپنے بھانجے سے کیا۔ حضرت زینب بیوہ نہیں ہوئی تھیں بلکہ حضرت زید کی مطلقہ تھیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا کی بیوی مولانا کے ساتھ عقد سے قبل بیوہ ہوگئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاقِ رجعیہ دی تھی اور مولانا نے خود اس بیوی کو طلاق رجعیہ دی جن کا یہ معاملہ تھا پھر ایک شخص یہ بھی سوال کرسکتا ہے کہ مولانا جس کو سنت کا "اضطراری" اتباع فرماتے ہیں یہ آخر اعمال مندوبہ و مستحبہ کی کون سی قسم ہے؟ اور کیا شریعت میں اس کی کوئی اہمیت ہے؟

اپنے معاملات میں تاویل و توجیہ اور اغماض و مسامحت کرنے کی مولانا میں جو خو تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں ہر چند کلمۂ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمۂ کفر ہے۔ شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کردیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے اور یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔

(د) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق مبارک یہ تھا کہ خود بھوکے رہتے اور مہمان کی خاطر تواضع کرتے تھے اس کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے چنانچہ حضرت خدیجہ نے آپ کے جو چند بہت ہی نمایاں اخلاقِ فاضلہ گنائے ہیں ان میں ایک تقری الضیف بھی ہے لیکن ہمارے مولانا کا حال یہ ہے کہ مہمانی بند! اور اگر کسی مہمان نے ازراہ مروت کھانے میں اپنے ساتھ کسی کو شریک کرلیا ہے تو بس اس کی شامت ہی آگئی ہے، رات کے وقت دیوان خانہ میں آکر ٹھہر گیا ہے تو شکنجہ میں کس دیا گیا ہے بے شبہ ہر چیز کے آداب اور اس کے قواعد وضوابط ہوتے ہیں اور ایک معلمِ اخلاق کا فرض ہے کہ وہ ان پر تنبیہ کرے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ تعلیم و تربیت صاف بتاتا ہے کہ غلط کاری پر تنبیہ اور آداب سے تغافل پر احتساب اور فظاظت و غلظتِ قلب اور تندمزاجی و تنک طبعی ان دونوں کی حدود ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف خانقاہی مہمانداری کو بند کردینے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مولانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مہمانوں کی دیکھ بھال اور ان کے راحت و آرام کا خود اہتمام فرماتے تھے اور اسی میں مصروفیت کے باعث آپ اس مقصد کی طرف توجہ نہیں کر سکتے تھے جس کے لئے یہ مہمان آتے تھے۔ ہم نے قطب وقت حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دیکھا ہے کہ صبح شام مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور بعض بعض مہمان تو ایسے آتے تھے کہ تین تین چار چار دن رہ کر جاتے تھے اور چلتے وقت کرایہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لیتے تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہایت خندہ پیشانی سے بذات خود ان مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے تھے اور ان کی ہر طرح کی آسائش کا خیال فرماتے تھے اور آج حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے ہاں جا کر دیکھئے کس طرح ان حضرات کے ہاں بھی مہمانوں کا ہجوم رہتا ہے اور کس طرح ان کی دیکھ بھال کی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود ہم نے آج تک کسی سے نہیں سنا کہ مہمانداری میں مصروف رہنے کے باعث ان حضرات کے مریدان و معتقدین تشنہ کامِ معرفت و طریقت ہو کر چلے گئے ہوں اللہ اکبر! شاہ راہ اخلاق محمدی سے یہ انحراف و اعراض اور پھر اس کے لئے یہ تاویل و توجیہ کیا یہ بلی مسولت نکم انفسکم کی مثال نہیں ہے؟

شرک فی الرسالۃ اس موقع پر یہ ایک نہایت اہم اور ضروری نکتہ جسے اپنے مرشد کے ساتھ انتہائی عقیدت و ارادت رکھنے والے مرید اکثر بھول جاتے ہیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ماننا شرک فی اللہ اور کفر ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالاتِ نبوت میں کسی کو شریک جاننا شرک فی الرسالۃ اور عظیم ترین معصیت ہے ہاں بیشک سلوک و عرفان کے مقامات و مدارج میں ایک مقام فنا فی الشیخ کا بھی ہے جب کہ مرید کو سوائے اپنے مرشد کے کچھ نظر نہیں آتا لیکن یہ نہایت خطرناک اور عبوری مقام ہے چنانچہ مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اسی عالم میں ہو جائے تو آخرت میں اس کی خیر نہیں اسی بنا پر اپنے مریدوں کو ان خطرات سے مرشدین کامل کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ مریدوں کے ہر اس قول و فعل پر روک دیتے ہیں جن سے شرک فی الرسالۃ کا وہم پیدا ہو سکتا تھا حضرت سید جلال الدین بخاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لقب سے معروف ہیں ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص اپنے لئے کفن مانگنے آیا حضرت کے پاس اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا لیکن غایتِ خلق وکرم کے باعث سائل کو محروم بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک خادم کو حکم دیا کہ بستر کے گدے سے روئی نکال لو اور کپڑا سائل کے حوالہ کر دو۔ اس حکم کے بعد نماز میں مشغول ہو گئے۔ خادم حکم بجالایا اور فرط عقیدت و محبت میں بولا سبحان اللہ! قطب عالم کس درجہ شفیق ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" حضرت نے یہ آیت سنی تو فوراً نماز توڑ دی اور خادم کو تنبیہ کر کے فرمایا "خبردار! یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اتری ہے کسی اور کے حق میں اس کا پڑھنا جائز نہیں ہے"۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی کا ہے آپ نے ایک مرتبہ اپنے خاص مریدوں سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا اور ساتھ ہی اپنی رائے بھی بیان کر دی۔ ایک مرید بولا "حضور کی جو رائے ہے اس کے درست وصواب ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے بس وہی خادموں کی بھی رائے ہے" حضرت شہید نے یہ سنا تو غصہ سے برہم ہو گئے" اور فرمایا کہ یہ صرف نبی کی خصوصیت ہے کہ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (رسول تم کو جس چیز کا حکم دیں اسے قبول کر لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ) کے ارشاد ربانی کے مطابق فرمودۂ رسول میں چون وچرا کی گنجائش نہیں لیکن آپ کے علاوہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا بزرگ اور ولی ہو اس کی بات کو بے چون وچرا قبول کرنا جائز نہیں اس کے بعد حضرت شہید بریلوی نے یہ بھی فرمایا کہ پیغمبر کے علاوہ کسی پیر فقیر کو یہ مرتبہ دینا شرک فی الرسالۃ ہے حضرت سید احمد صاحب شہید کی اس خاص تعلیم وتربیت کا اثر یہ تھا کہ مولانا عبدالحئی دہلوی جو حضرت کے اخص الخاص اور جاں نثار مرید تھے ایک مرتبہ حسب معمول نماز کی امامت کر رہے تھے حضرت سید صاحب کو کوئی عذر پیش آ گیا جس کی وجہ سے نماز باجماعت کی ایک رکعت فوت ہو گئی۔ اب مولانا عبدالحئی صاحب نے سلام پھیر کر یہ دیکھا تو وہیں برملا کہا کہ "آخر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جماعت میں دیر سے پہنچتے ہیں حضرت سید صاحب سمجھ گئے کہ "سر دلبراں" "در حدیث دیگراں" کا معاملہ ہے سمت اگرچہ متعین نہیں ہے مگر دراصل نشانہ پر میں ہوں۔ فوراً ندامت کا اظہار کیا اور عذر بیان فرمایا مولانا عبدالحئی اس پر بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیب نہ ہوتے۔ بولے "حضرت! اس قسم کے عذر دوسرے لوگ کر سکتے ہیں مگر آپ نہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ پیر و مرشد کو ماورائے تنقید سمجھ لینے کا ہی یہ نتیجہ ہوا ہے کہ آج بزرگان کرام وصوفیائے عظام کے تذکرے ان کے ملفوظات اور ان کی کتابیں چند در چند ایسے اقوال و اعمال سے مملو نظر آتے ہیں جو شریعت اسلام کے خلاف ہیں اور اس بنا پر یہ کتابیں سرچشمۂ ہدایت ہونے کے بجائے ایک خاص طبقہ کے لئے نہایت اندوہناک گمراہی اور ہلاکت کا باعث ہوگئی ہیں حد یہ ہے کہ "طریقت" کے نام سے شریعت کے بالمقابل ایک مستقل نظام ہی لاکر کھڑا کر دیا گیا ہے اور اس کو اس درجہ اہمیت دی گئی ہے کہ اچھے اچھے نیک نیت علمار شریعت اور طریقت ان دونوں میں تطبیق کی کوشش فرماتے ہیں گویا غیر شعوری طور پر انھوں نے بھی طریقت کا ایک مستقل وجود تسلیم کر لیا ہے حالانکہ قرآن مجید اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد کون سی چیز رہ گئی تھی جس سے اکتساب نور کیا جاتا اور انسان کی روحانی و اخلاقی زندگی کا کون سا شعبہ تھا جسے روشن کرنے کے لئے ان دونوں کے علاوہ کسی اور روشنی کی ضرورت ہوتی۔

یہ عقیدتِ مفرط اچھے اچھے علما کو بھی بسا اوقات کس طرح افراط و تفریط میں مبتلا کرکے بارگاہ رسالت پناہ میں بالواسطہ گستاخی کا سبب بنتی ہے اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہوگا کہ اسی زیر تبصرہ کتاب جامع المجددین کو مطالعہ فرماکر ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم جن کی پاک سرشتی و نیک باطنی میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور جو ہمارے بھی مخدوم ہیں انھوں نے مولانا عبدالماجد دریابادی کو ایک خط لکھا اور اس میں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اپنے تاثرات ظاہر فرماتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ معصوم عن الخطا ہونا نبی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن محفوظ عن الخطا تو غیر نبی بھی ہو سکتا ہے مطلب یہ تھا کہ مولانا تھانوی محفوظ عن الخطا تھے مولانا عبدالماجد جنہوں نے یہ خط صدق میں شائع کر دیا تھا اللہ تعالیٰ سے کہ حضرت مولانا تھانوی سے نسبتِ بیعت رکھنے اور ان کے محمد درجہ اور تمند ... کاتب خط کے لفظی ہیر پھیر سے متاثر نہ ہوتے اور مذکورہ بالا جملہ پر اختلافی نوٹ دیتے رہے انھوں نے لکھا کہ لا موہانہ جانے کون سے عالم کی بات کر رہے ہیں جو ہماری فہم سے بلند و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالا ہے[1]

اس باب میں خود مولانا تھانوی کا ارشاد

اس باب میں خود مولانا تھانوی کا ایک ارشاد سننے کے قابل ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ سیرت النبی جلد سوم مصنفہ مولانا سید سلیمان ندوی میں "معجزات اور فلسفہ جدید" کے عنوان سے ایک باب مولانا عبدالباری ندوی کا لکھا ہوا ہے جس میں انھوں نے ایک مقام پر گاندھی جی کی قوتِ ارادی اور اس کی عجوبہ کاریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں انھوں نے جس درجہ کے امراء و اعیانِ ملک سے چرخہ کتوالیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے۔ ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب، انشاء پرداز اور منطقی سیکڑوں ملیں گے لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا غرض اثر آفرینی کی یہی قوت ہے جس کو عاملِ تنویم مشق سے بڑھا کر کسی کو شیر اور زنعار کو حسین عورت بنا سکتا ہے"

اس عبارت کو بار بار پڑھیے اور بتائیے کہ کیا اس پوری عبارت سے یا اس کے کسی جملہ یا کسی لفظ سے کسی کو یہ وہم بھی ہو سکتا ہے کہ مصنف یعنی مولانا عبدالباری کی رائے میں گاندھی جی "مشابہ بہ نبی" ہیں؟ ہرگز نہیں لیکن مولانا تھانوی کو اس پر سخت اعتراض ہے کیونکہ آپ کے خیال میں گاندھی جی کی اس تعریف سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ اخلاق و کمالاتِ نبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ چنانچہ مولانا مرحوم خود مولانا عبدالباری کو اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں۔

"اسی تحریر میں ایک مشہور ہندو کا بھی ذکر اس طور سے کیا گیا ہے کہ کتاب کا پڑھنے والا یہ ضرور سمجھے گا کہ مؤلف کے اعتقاد میں یہ بھی کمالاتِ روحانیہ رکھتا ہے[2] قطع نظر اس سے کہ سیرت نبویہ میں ایک ایسے شخص کا ذکر جو صاحب السیرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل السیر یعنی نبوت کی ہی تصدیق اسلامی نہیں کرتا کس قدر امرِ ثقیل و خطیب وبیل ہے جس کا اثر حدیث میں وارد ہے اذا مدح الفاسق اهتز العرش

---

[1] صدق کا پرچہ اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ اس لئے لفظوں میں ضرور کچھ فرق ہوگا لیکن مضمون اور مفہوم یہی تھا۔ [2] حالانکہ غریب مؤلف صاف صاف کہہ رہا ہے کہ یہ قوت ارادی کی کرشمہ سازی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

...... اس سے قطع نظر ایک بڑی غلطی میں ڈالنے والا ہے وہ یہ کہ دیکھنے والا اس سے یہ سمجھے گا کہ جو اخلاق و کمالات علامات نبوت ہیں اس ہندو کے اخلاق و کمالات بھی ان ہی کے مشابہ ہیں۔ پھر اس پر دو غلطیوں کا وقوع نہایت قریب ہے اس طرح سے کہ جب یہ ہندو نبی نہیں ہے اور اخلاق میں مشابہ نبی کے ہے تو کسی نبی پر غیر نبی ہونے کا یا غیر نبی پر نبی ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اور یہ کتنا بڑا مفسدہ ہے (ملاحظہ کیجئے بوادر النوادر ص ۳۸۲)

اگرچہ یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے کہ مولانا تھانوی کے مذکورۂ بالا مشورہ کو نہ مولانا عبدالباری صاحب نے مانا اور نہ مولانا سید سلیمان ندوی نے۔ چنانچہ مولانا تھانوی نے یہ خطہ ۱۰ ارشعبان ۵۲ کو لکھا ہے اور اس خط کے کامل اٹھارہ برس بعد یعنی ۱۳۶۶ھ میں سیرت النبی۔ ۳۹ کا جو آخری اڈیشن چھپا ہے اوس میں اس "مشہور ہندو" کا ذکر حسب سابق ہی موجود ہے۔ لیکن خیر! مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مولانا تھانوی کے نزدیک جو اخلاق و کمالات علامات نبوت ہیں کسی کے اخلاق و کمالات کو اون کے مشابہ قرار دینا مفسدۂ عظیم ہے اور چونکہ غیر نبی ہونے میں گاندھی جی اور مولانا اشرف علی تھانوی دونوں برابر ہیں اس بنا پر گاندھی جی کے اخلاق و کمالات کو اخلاق و کمالاتِ نبی کے ساتھ مشابہ دکھانے میں جو مفسدہ ہوگا وہی مفسدہ اس وقت ہوگا جب کہ مولانا تھانوی کے اخلاق و کمالات کو پیغمبر کے اخلاق و کمالات کے ساتھ مشابہ دکھایا یا قرار دیا جائے، بلکہ سچ یہ ہے کہ دوسری صورت میں چونکہ مشبہ ایک جید عالم دین اور ہزاروں مسلمانوں کا مذہبی پیشوا ہے اس لئے غیر نبی کے نبی اور نبی کے غیر نبی ہونے کا مفسدہ زیادہ شدید ہے۔ بخلاف صورت اوّل کے کہ وہاں تو مشبہ مسلمان بھی نہیں چہ جائیکہ اوس کے نبی ہونے کا کسی کو ادنیٰ سا وہم بھی ہو۔ بہرحال مولانا تھانوی کے مذکورہ بالا ارشاد کا بالکل صاف مطلب یہ ہے کہ کسی غیر نبی کے اخلاق و کمالات کا ذکر اس طرح پر کہ جس سے شبہ پیدا ہوتا ہو کہ یہ شخص ان چیزوں میں نبی کے مشابہ ہے اب دیکھئے نے حضرت مولانا تھانوی کے اس ارشاد کی پیروی کہاں تک کی ہے۔

حلق دین میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبیہ | "حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کا سب سے نمایاں اور بڑا کمال راقم احقر کی نظر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یہ تھا کہ علم و عمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ حضرات انبیاء کا تو ذکر نہیں ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے اور اس میں یقیناً اس نعمت کو دخل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بسطۃً فی العلم کے ساتھ بسطۃ فی   کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ جسمانی خلقت۔ ظاہری و باطنی حواس کی صحت اور نتیجہ اعتدال افعال اور مزاج کی لطافت میں بھی مجدد امت کی ذات نبی امت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پرتو تھی (ص ۴۰)

معصوم و ملکوتی روح | اس کے بعد ارشاد ہے۔

"اس ظاہر و قالب کا باطن کیسے قلب سلیم اور السعید من سعد فی بطن امہ کی کیسی بطنی سعادت اور کیسی معصوم و ملکوتی روح سے منور تھا اس کا اندازہ . . . . . (ص ۴۱)

بات بات میں حکمت و افادہ | پھر صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں "خلاصہ یہ کہ کوئی چھوٹی بڑی بات حکمت و مصلحت سے خالی نہ ہوتی اور تعلیمات نبوت کی تجدید فرمانے والے ایک جامع و مبعوث مجدد کی شان یہی ہونی چاہیے کہ اس کی زندگی "لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کا اس باب میں بھی عکس ہو کہ کوئی حرکت و سکون امت کے لئے افادہ و تعلیم سے خالی نہ ہو خواہ اس کا درجہ استحباب کا ہی ہو۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد پھر غور کیجئے کہ ہمارے فاضل مؤلف نے جو الفاظ گاندھی جی کی نسبت لکھے تھے اگر وہ ایک غیر نبی کو نبی کے مشابہ قرار دینے یا اس کا وہم پیدا کرنے والے تھے تو کیا یہ اقتباسات ان الفاظ سے زیادہ معنی مذکور کا وہم یا اشتباہ پیدا کرنے والے نہیں ہیں اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر کیا خود مولانا تھانوی کے ارشاد کے مطابق یہ "مفسدۂ عظیم" نہیں ہے؟

مرید کے آداب | علاوہ بریں خدا قبر ٹھنڈی رکھے مولانا تھانوی کی "آپ نے کوئی بات چھپا کے نہیں رکھی مریدین کے آداب پر گفتگو فرماتے ہوئے اس کی بھی صاف صاف تصریح فرما دی ہے کہ مرید کو پیر کے ساتھ عقیدت و محبت کے باب میں ہرگز اس درجہ افراط سے کام نہیں لینا چاہیئے کہ اس کو دوسروں سے افضل سمجھے یا اس کا مرتبہ صحابہ کرام سے اونچا جانے ان آداب کو فاضل مؤلف نے خود جامع المجددین میں نقل کیا ہے ہم ذیل میں اس کے اقتباسات پیش کرتے ہیں حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔

"مشہور ہے کہ اپنے پیر کو سب سے افضل سمجھے۔ ظاہراً اس میں اشکال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ" لہٰذا اگر سکر محبت میں ایسا سمجھا تو معذور ہے اور اگر غلبہ سکر نہیں تو اتنا سمجھے کہ میری تلاش سے زندہ لوگوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا"۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"جس طرح اولیاء کے باب میں تقصیر ممنوع ہے اسی طرح افراط و غلو اور بھی بدتر ہے کہ اس سے اللہ و رسول کی شان میں تفریط ہوتی ہے"۔ (ص ۵۴۰)

پھر ارشاد حق بنیاد ہوتا ہے

"ولی کبھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا نہ اس کو عبادت کبھی معاف ہو سکتی ہے۔ بلکہ خواص کو زیادہ عبادت کا حکم ہے......نہ ولی معصوم ہوتا ہے۔ نہ صحابہ کے مرتبے کو پہنچ سکتا ہے"۔ (ص ۵۴۱)

اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات و ہدایات اور مولانا عبدالباری ندوی کے عقیدتمندانہ جذبات جن کا اظہار انھوں نے مذکورۂ بالا اقتباسات میں کیا ہے ان دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو حسب ذیل نتائج بالکل صاف صاف نکلتے ہیں:۔

(۱) مولانا فرماتے ہیں کہ "ولی معصوم نہیں ہوتا" فاضل مؤلف کا ارشاد ہے کہ "مولانا کے ظاہر و قالب کا باطن معصوم و ملکوتی روح سے منور تھا۔

(۲) مولانا تنبیہ کرتے ہیں کہ ولی صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا فاضل مؤلف کا دعویٰ ہے کہ "علم و عمل میں حدود کی رعایت اس درجہ تھی کہ حضرات انبیاء کا تو ذکر نہیں ورنہ لوازم بشریت کے ساتھ اس سے زائد کا تصور دشوار ہے" اس عبارت کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تابعین و تبع تابعین اور ائمۂ عظام و صدیقین و شہدا تو کیا مولانا تھانوی کا مقام صحابہ سے بھی اونچا تھا کیونکہ صحابی سب ایک ہی درجہ کے نہیں تھے ان میں آپس میں بھی فرق مراتب تھا اور "لوازم بشریت کے ساتھ" اس سے زائد کا تصور سب سے اونچا مرتبہ ہے اس بنا پر مولانا تھانوی فرداً فرداً ہر ایک صحابی سے اونچے نہ سہی جو دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں مفضول تھے ان سے تو لامحالہ اونچے ہو ہی گئے۔[1]

---

[1] حالانکہ صحابہ کرام کی شان یہ ہے کہ ارشاد نبوی ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم حضرت شاہ عبدالقادر (بقیہ حاشیہ برصفحہ ۱۱۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) مولانا تھانوی فرماتے ہیں اور بجا فرماتے ہیں کہ ایک مرید کو (عالم صحو میں) اپنے پیر و مرشد کے متعلق یہ سمجھنے کا حق ہے کہ "میری تلاش سے زندہ لوگوں میں اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا اور بس! لیکن اس کو سب سے افضل سمجھنے کا حق نہیں کیونکہ 'فوق کل ذی علم علیم'" لیکن مولانا عبدالباری کا دعویٰ ہے کہ "مجدد امت کی ذات نبی امت کا پرتو تھی" پھر دوسرے علماء اور مشائخ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کے علم وفضل اور بزرگی میں کلام نہیں لیکن بات وہی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے دین کی تجدید اور امت کی اصلاح کے لئے مبعوث و مقرر فرمایا ہو۔ اس کی بصر و بصیرت فہم و فراست امت کے خواص و عام کے مصالح و مفاسد تک جس درجہ پہنچ سکتی ہے بڑے بڑے علماء و صلحاء و مقبولین کی بھی پہنچ ضروری نہیں کیونکہ ان کو خاص خدمت کے لئے متعین ہی نہیں فرمایا گیا ہے" (ص ۱۰۶) ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں "الحمدللہ صلحاء و مخلصین اور اہل اللہ و مقبولین سے دنیا خالی نہیں۔ لیکن ہر جگہ کسی نہ کسی خاص رنگ کا غلبہ دیکھا جس میں حدود کی رعایت بہ مشکل ہی ہوتی اور ہو سکتی ہے . . . مجدد کی نظر جب تک کسی امر کے تمام پہلوؤں اور مصالح مفاسد سب پر نہ ہو بالکل ممکن ہے کہ وہ افراط سے تفریط اور تفریط سے افراط کی طرف نکل جائے اور ایک اصلاح دوسرے افساد کی شکل اختیار کر لے جیسا کہ آج کل کے اکثر اس قسم کے مصلحین اور ان کی اصلاحات میں دیکھا جا رہا ہے" (ص ۸۴)

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اندازہ ہوا ہوگا کہ فاضل مؤلف نے اپنے پیر و مرشد کی نسبت جس حد درجہ غالیانہ جذبات عقیدت و ارادت کا اظہار کیا ہے وہ اور ان کا طرز بیان خود مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات و تاکیدات کے خلاف ہے جو آپ نے مریدوں کے آداب کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اگر مولانا تھانوی آج حیات ہوتے تو وہ خود اسے ناپسند کرتے اور اس کتاب کے ان تمام حصوں کو قلمزد کرا دیتے جن میں اکابر علماء و مشائخ کا استخفاف اور ان کی تنقیص کی گئی ہے[1]۔ اور اسلام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ایک شخص نے صحابہ کے مقام کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ امیر معاویہ سب سے کم درجہ کے صحابی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کا مقام بھی ہم لوگوں سے اتنا بلند ہے کہ اگر ان کے گھوڑے کی گرد میرے اوپر پڑ جاتے تو میری نجات کے لئے کافی ہے" لیکن انداز ایسا معلوم ہے کہ انگریزی میں اس کو Pious indignation "مقدس بیزاری" کہہ سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامعیت و ہمہ گیری کو سمیٹ سمٹا کر ایک ہی شخص کی ذات کے اندر محدود و مقید کر دیا گیا اور ساری دنیا کو اسی کو بعینہا و منہا قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ یہ باور کرانے کے بعد کہ مجدد بھی نبی کی طرح "مبعوث من اللہ" ہوتا ہے فرماتے ہیں "البتہ نبی اور مجدد میں ایک فرق ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات و مغفرت کے لیئے لازم ہے بخلاف اس کے مجدد وقت کی یافت اور پیروی پر نجات موقوف نہیں۔ وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان کے بعد مرپٹ کر (اس لفظ کی بلاغت کی داد نہیں دی جا سکتی) ہو ہی جائے گی۔ لیکن دین کے اصل و پاک سرچشمہ تک پہنچنا اس کی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی برکات و ثمرات کا پوری طرح حاصل ہونا۔ اس کے لئے البتہ مجدد وقت کا پانا اور اس کا دامن تھامنا لابد ہے۔ لبشری لغزشیں اس سے بھی ہوں گی۔ لیکن دیگر علماء محققین کے مقابلہ میں نسبۃً بہت کم اس لئے مجدد وقت کی تجدید و تحقیق کا قبول و اتباع اسلم و احوط ہر حال میں ہوگا۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام کے احیاء و تجدید ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو اس کے علم و فہم کی یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر تائید بھی ہوگی" (ص ۱۹)

مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور یا ہارون الرشید (باختلاف روایات) نے امام مالک ابن انس سے جن کی ذات برکات مآب کے ساتھ ان کو خاص عقیدت و ارادت تھی کہا کہ ہمارا جی چاہتا ہے آپ کی کتاب کو خانۂ کعبہ پر آویزاں کر کے تمام ممالک محروسۂ اسلامیہ میں اعلان کر دیں کہ صرف اس کتاب پر عمل کیا جائے لیکن امام فرخندہ فرجام نے فوراً کہا کہ نہیں آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام منتشر ہو گئے تھے اور ان میں بہت سے تھے جو عراق کے مختلف شہروں میں جا بسے تھے اس بنا پر ہم اہل حجاز کو ان کی روایتیں نہیں پہنچیں علاوہ بریں اقوام غیر کے ساتھ اختلاط و ارتباط کے باعث علمائے عراق کے سامنے جو معاملات و مسائل آتے ہیں وہ ہم اہل حجاز کو پیش نہیں آتے اس بنا پر ہم اپنے اجتہادات کو کس طرح عراق کے مسلمانوں کے لئے لازمی اور لابدی قرار دے سکتے ہیں مولانا عبد الباری ندوی کے ہاں جامعیت تجدید دین کی حقیقت کیا ہے اور حضرت تھانوی کے تجدیدی اوصاف و کمالات کے نقشہ میں اسلامی تعلیمات کے کتنے اہم اور بنیادی خلاء بالکل خالی رہ گئے ہیں ان پر تو ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے یہاں اس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت مالک بن انس ایسا امام عالی مقام اپنے ہی اجتہادات و استنباطات کو ہر ایک کے لئے لازمی نہیں قرار دیتا

© rasailojaraid.com